خود کش حملے کی شرعی حیثیت

مولانا مختار اللہ حقانی

مفتی و اُستاد جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

نوٹ: ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

نمبر شمار	ذیلی عنوانات
۱	جہاد کے فضائل
۲	فدائی حملوں کے جواز، حدود اور شرائط
۳	عدم جواز کی صورت اور حد
۴	دار الاسلام میں کفار کے ٹھکانوں پر فدائی حملوں کی شرعی حیثیت

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک جگہ کافر لوگ مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں مسلمان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ بے یار و مددگار ہیں ان کے پاس آلاتِ حرب و جنگ کالعدم ہیں اس صورت میں بعض مسلمان خود کش حملے کرتے ہیں اپنے جسم پر بم باندھ کر کافروں کے درمیان اپنے آپ کو بم سے اڑا دیتا ہے خود بھی ہلاک ہوتا ہے اور کافروں کو بھی جان سے مار ڈالتا ہے جیسے فلسطین، چیچنیا اور عراق وغیرہ میں ہو رہا ہے، ایسی صورت میں یہ خود کش حملہ آور شہید ہے یا خود کشی کا مرتکب ہے جو حرام ہے اور سخت گناہ ہے اور یہ خود کشی کا معاملہ صحابہؓ کے دور مسعود میں بھی پیش آیا ہے یا نہیں؟

برائے مہربانی شرعی دلائل سے مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔ اجرکم علی اللہ

المستفتی

بندہ مولوی عبد الوارث حقانی ثم الوزیری

مورخہ ۱۱/اپریل ۲۰۰۲ء

الجواب باللہ التوفیق:۔

جہاد کے فضائل:

جہاد فی سبیل اللہ اسلام کا ایک اہم اور بنیادی فریضہ ہے اسی میں دین اسلام کی احیاء اور بقاء مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

و قاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدو انّ اللّٰہ لا یحب المعتدین واقتلو ھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجو کم والفتنة اشد من القتل (البقرہ ۱۹۰۔۱۹۱) اورتم اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جوتم سے لڑیں اور شریعت کی حدود سے تجاوز نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا، پھر تم ان کو مارو جہاں بھی پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو تنگ کر کے نکالا ہے اور فتنہ (کفروشرک) قتل وقتال سے زیادہ سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس عظیم عمل کے بہت سارے فضائل اور مناقب بیان کئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ و من یقاتل فی سبیل اللّٰہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیه اجر اً عظیماً(سورة النساء). جو اللہ کی راہ میں لڑے اور مارا جاوے یا غالب آجائے تو عنقریب اس کو بڑا اجر دیں گے۔''

اور سورة توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللّٰہ بأموالھم و انفسھم اعظم درجةعند اللّٰہ و اولٰئک ھم الفائزون یبشّرھم ربھم برحمة منه ورضوان وجنٰتٍ لھم فیھا نعیم مقیم خالدین فیھا ابداً ان اللّٰہ عندہ اجر عظیم(سورة توبة).

جو ایمان لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے ان کے لئے اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں ان کا پروردگار ان کو اپنی طرف سے اپنی مہربانی کو خوشخبری دیتا ہے۔ اور اپنی رضامندی کی اور باغوں کی جن میں ان کو ہمیشہ کا آرام ہے رہا کریں ان میں مدام بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے۔ انّ اللّٰہ یحب الذین یقاتلون فی سبیله صفا کانّھم بنیان مرصوص (سورة صف) ''بے شک اللہ محبوب رکھتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ میں لڑتے ہیں صف باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں'' ان کے علاوہ انحضرت ﷺ نے بھی جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت کے بارے میں کئی ارشادات فرمائے ہیں بلکہ کئی غزوات میں بنفس نفیس شریک ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے:

عن ابی قتادةؓ، قال خطب رسول اللّٰہ ﷺ و ذکر الجھاد فلم یفضّل علیه شیئاً الا المکتوبة (ابوداؤد طیالسی)

ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے تو آپ نے جہاد کی اتنی فضیلت بیان کی اس میں فرض نماز کے علاوہ ہر عمل سے جہاد کو افضل قرار دیا۔

اسی طرح علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ کہ الجھاد مختصر طریق الجنة (المغنی) کہ جہاد جنت کا مختصر راستہ ہے۔

جنگی حربوں کے استعمال کی گنجائش:

جہاد کی فضیلت پر ان کے علاوہ اور کافی آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ دلالت کرتے ہیں، اس لئے جب کوئی ایک مسلمان اپنی جان کی بازی لگا کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ لڑتا ہے، اور اسلام کو سربلند کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اسی سے دنیا والوں پر مسلمانوں اور اسلام کا رعب اور دبدبہ قائم ہے، اس فضیلت اور منقبت والے عمل میں مارا جانے والا شہید کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس

کے لئے اعلیٰ ارفع انعامات کا وعدہ فرمایا ہے۔ جہاد میں اسلام کی سربلندی اور دشمنانِ اسلام کو مغلوب اور شکست خوردہ کرنے کے لئے ہر قسم کے جنگی حربوں کے استعمال کی گنجائش موجود ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ دشمنان اسلام کے مقابلے میں ہرطرح سے اپنے آپ کو لیس اور تیار کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ من رباط الخیل،ترھبون بہ عدو اللّٰہ وعدو کم (الایۃ)**

یعنی اعداء اسلام کو مرغوب کرنے اور ان کو زیردست لانے کے لئے جو بھی جنگی تیاری اور حکمت عملی مفید اور مطلوب ہو اسی کا مسلمانوں سے اس آیت میں مطالبہ ہے، جس میں دشمنان اسلام پر خودکش حملہ بھی داخل ہے، مگر اس ہتھیار کا استعمال موقع اور محل میں ہی جائز اور روا ہے۔ فدائی حملے دشمنانِ اسلام کیلئے ایٹم بم کے مترادف ہے، دور رسالت مآب ﷺ سے لے کر تقریباً الی یومنا ھذا مسلمان اور کفار کے مابین جنگوں میں فدائی حملوں کے نظائر ملتے ہیں مملکت خداداد پاکستان پر جب ۱۹۶۵ء میں ہندوستان کی طرف سے حملہ ہوا تو ہماری پاک فوج کے جانثاروں نے اپنے جسموں کے ساتھ بم باندھ کر دشمن کے ٹینکوں کی زنجیروں کو توڑ کر ان پر غالب ہوئے۔ مگر ان فدائی حملوں کا جواز علی الاطلاق نہیں بلکہ ان کی کئی صورتیں ہیں بعض صورتوں میں جائز ہیں اور بعض صورتوں میں نہیں مثلاً

فدائی حملوں کے جواز، حدود اور شرائط:

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ کفار کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ جاری ہو مسلمانوں کے پاس ظاہری طور پر ان کا کوئی توڑ نہ ہو اور نہ مسلمان افواج دشمن کا مقابلہ کرسکتے ہوں تو اس صورت میں اگر مسلمان اپنے ساتھ بم یا بارود باندھ کر دشمن کے مجمع گاہ، چھاؤنی، دستہ وغیرہ پر حملہ آور ہو، حملہ آور کو یقین یا غالب گمان ہو کہ وہ اس حملہ سے اپنے ساتھ کئی کفار اور دشمنانِ اسلام کو جہنم رسید کر کے ختم کردے گا اور دشمن کو کافی مالی وجانی نقصان پہنچائے گا۔ ان کی طاقت ختم ہو جائے گی مادی اور افرادی قوت کے لحاظ سے کمزور پڑ جائے گی۔ تو حدیث اور فقہ کے ذخائر سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

یہ فدائی حملہ نہ صرف جائز ہے بلکہ باعث اجر وثواب ہے اس میں مرنے والا شہادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوگا اس قسم کے حملوں کے نظائر رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی ملتے ہیں، چنانچہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرت النبی ﷺ میں لکھا ہے کہ (غزوہ احد میں) ایک ہجوم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کون مجھ پر جان دیتا ہے؟ زیاد بن سکنؓ پانچ انصاری لے کر اس خدمت کو ادا کرنے کے لئے بڑھے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانئیں فدا کردیں۔ (سیرت النبی ۱/۲۲۱)

اگے فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر حضرت ابودجانہ جھک کر سپر بن گئے اب جو تیر آنے تھے ان کی پیٹھ پر آ لگتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ (سیرت النبی ۱/۲۲۱)

اسی طرح علامہ نعمانی صاحبؒ آگے لکھتے ہیں حضرت طلحہؓ جو انس کے علاتی باپ تھے۔ مشہور تیرانداز تھے انہوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں انہوں نے سپر سے آنحضرت ﷺ کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپ ﷺ پر

کوئی وار نہ آنے پائے آپ ﷺ کبھی گردن اُٹھا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے کہ آپ گردن نہ آٹھائیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے یہ میرا سینہ سامنے ہے۔ (مسلم ۹۰/۲ سیرت النبی ۲۲۱/۱)

اسی طرح ایک مثال علامہ محمود الوسیؒ نے پیش کی ہے: عن ابی عمرانؓ قال کنّا بالقسطنطنية فخرج صف عظيم من الروم فحمل رجل من المسلمين حتیٰ دخل فيهم فقال الناس القی بيديه الی التهلكة فقام ابو ايوب الانصاریؓ فقال ايها الناس انكم تؤولون هذه الاية هذا التاويل وانما نزلت فينا معاشر الا نصار لما اعز الله تعالیٰ دينه و كثر ناصروه قال بعضنا لبعض سرأدون رسول الله ﷺ ان اموالنا قد ضاعت وان الله تعالیٰ قد اعز الاسلام و كثر ناصروه فلواقمنا فی اموالنا فاصلحنا ماضاع منها فانزل الله علی نبيه ﷺ ما يرد علينا ما قلناالخ(روح المعانی ۷۷/۲)

اسی طرح بخاری شریف میں ایک عظیم مجاہد کا واقعہ لکھا ہے۔

عن عمروسمع جابربن عبدالله قال قال رجل للنبی ﷺ يوم احدارايت ان قتلت فاين انا قال ففی الجنة فألقیٰ تمرات فی يده ثم قاتل حتی قتل(بخاری ۷۹/۲)

اور علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ وقد بلغنی ان عسكر المسلمين لمالقی الفرس نفرت خيل المسلمين من الفيلة فعمد رجل منهم فصنع فيلا من طين و انس به فرسه حتی الفه فلما اصبح لم ينفر فرسه من الفيل فحمل علی الفيل الذی كان يقدمها فقيل له انه قا تلک فقال لا ضير ان اقتل و يفتح للمسلمين و كذلک يوم اليمامة لما تحصنت بنو حنيفة بالحديقة قال رجل من المسلمين صنعونی فی الحجفة و القونی اليهم ففعلو و قا تلهم وحده وفتح الباب (قرطبی ۳۴۱/۲ تا ۳۳۴)

اسی طرح صحیح مسلم میں ہے۔ عن انس بن مالکؓ ان رسول الله ﷺ افرد يوم احد فی سبعة من الانصار و رجلين من قريش فمارهقوه قال من يرد هم عناوله الجنةاوهو رفيقی فی الجنة فتقدم رجل من الانصار فقاتل حتی قتل ثم رهقوه ايضاً فلم يزل كذلک حتی قتل السبعة الخ (مسلم ۱۰۷/۲)

اس کے علاوہ بے شمار واقعات کتب تاریخ میں موجود ہیں کہ صحابہ کرامؓ اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر دشمن پر اسلام کی سربلندی کے لئے فدائی حملہ کر چکے ہیں۔ امام محمدؒ نے مختصر الفاظ میں ان کے کارناموں کو یوں ذکر کیا ہے۔

وقد فعل ذلک بين يدی رسول الله ﷺ غير واحد من الاصحاب يوم احدولم ينكر ذلک عليهم رسول الله ﷺ و بشر بعضهم بالشهادة حين استاذنه فی ذلک (السير الكبير ۱۵۱۲/۴)

لہٰذا ان شواہد و دلائل کے پیش نظر اصحاب فقہ فرماتے ہیں: ولوان مسلما حمل علی الف رجل وحده فان كان يطمع ان يظفر بهم فلا باس بذلک. (السير الكبير ۱۵۱۲/۱)

اورعلامہ السرخسیؒ نے لکھا ہے: لانہ لو کان علی طمع من النکایة بفعله جازله الاقدام فکذلک اذاکان یطمع فی النکایة فیهم بفعل غیرهٔ و کذلک ان کان فی ارهاب العدو وادخا ل الوهن علیهم بفعله فلابأس به لان هذاافضل وجوه النکایة و فیه منفعة للمسلمین و کل واحد یبذل نفسه لهذا النوع من المنفعة . (شرح السیرالکبیر ۱/۱۵۱۳)

فتح الباری میں علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: واما مسئلة حمل الواحد علی العدد الکثیر من العدو فصرح الجمهور بانّه ان کان لفرط شجاعته و ظنه انه یرهب العدو بذلک و یجری المسلمین علیهم او نحوذلک من المقاصد الصحیحة فهو حسن و ان کان مجرد تهور فممنوع لا سیما ان ترتب علی ذلک و هن من المسلمین. (فتح الباری ۸/۱۴۹)

علامہ قاضی خانؒ فرماتے ہیں: ولا بأس للرجل الواحد من المسلمین ان یحمل علی الف من المشرکین ان کان یطمع السلامة او النکایة بهم. (قاضی خان علی هامش الهندیه ۳/۵۶۰)

اسی طرح فتاوی ہندیہ میں ہے: قال محمد ولابأس بان یحمل الرجل و حده علی المشرکین ان کان غالب انه ظنه ینکی فیهم نکایة بقتل اوجرح اوهزیمة وان کان غالب رأیه انه لا ینکی فیهم اصلاً لابقتل ولا بجرح ولا بهزیمه و یقتل هو فانه لا یباح له ان یحمل وحده والقیاس ان یباح له ذلک فی الا حوال کلهاوان علم انه یقتل. (الهندیه/۵/۳۵۳)

اورعلامہ شامیؒ فرماتے ہیں: لکن ذکر فی شرح السیرءانه لابأس ان یحمل الرجل وحده وان ظن انه یقتل اذا کان یصنع شیئاًبقتل اوبجرح اوبهزیمة فقد فعل ذلک جماعة من الصحابة بین رسول اللّٰه ﷺ یوم احد ومدحهم علی ذلک. (ردالمحتار ۴/۱۲۷)

اسی طرح علامہ عالم بن علاء انصاریؒ فرماتے ہیں: ولابأس للرجل ان یحمل علی المشرکین وحده وان کان غالب رأیه انه یقتل اذاکان فی غالب رایه ان ینکی فیهم نکایةبقتل اوجرح اوهزیمة .(الفتاوی التاتار خانیة: ۵/۲۵۷)

اوراحکام القرآن میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: قال القاسم بن مغیرة والقاسم بن محمد وعبدالملک من علمائنالابأس ان یحمل الرجل وحده علی الجیش العظیم اذاکان فیه قوة وکان للّٰه بنیة خالصة فان لم یکن لهم قوة فذالک من التهلکه و قیل اذا طلب الشهادة خلصت النیة فیحمل لان مقصوده واحدمنهم وذلک بین فی قوله تعالٰی ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضاةاللّٰه وقال ابن خویزبن منداد فان یحمل الرجل علی مائةاوعلی جملةالعسکر اوجماعةاللصوص والمحاربین والخوارج فلذلک حالتان ان علم وغلب علی ظنه ان سیقتل من حمل علیه وینجوفحسن کذلک لو علم وغلب علی ظنه ان یقتل ولکن سینکی نکایة او سیبلی اویوثر اثراینتفع به المسلمین فجائز ایضا(احکام القرآن ۲/۳۴۱ تا ۳۴۳)

علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے: **وقدروی مسلم فی صحیحه عن النبی ﷺ قصة اصحاب الاخدود و فیها ان الغلام امر بقتل نفسه لأجل مصلحة ظهور الدین ولهذا جوز الائمة الاربعة ان ینغمس المسلم فی صف الکفار و أن غلب علی ظنه أنهم یقتلونه اذاکان فی ذلک مصلحة للمسلمین.** (مجموعه الفتاوی ۲۸/۵۴۰)

(۲) فدائی حملے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس حملہ سے دشمن پر غلبہ کا یقین تو نہ ہو مگر اس سے مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنا، دشمن کو ڈرانا اور ان میں بزدلی پیدا کرنا مقصود ہو اور اس سے ان امور کا حصول ممکن ہو تو اس صورت میں بھی فدائی حملے کے جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ جیسا کہ امام محمدؒ نے لکھا ہے۔ **وان کان لا یطمع فی نکایة و لکنه یجری بذلک المسلمین علیهم حتی یظفر بفعله النکایة فی العدو فلابأس بذالک انشاء الله تعالیٰ.**

علامہ سرخسیؒ نے اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ **لأنه لو کان علی طمع من النکایة بفعله جازله الاقدام فکذلک اذا کان یطمع فی النکایة فیهم بفعل غیره، وکذلک ان کان علی طمع فی ارهاب العدو وادخال الوهن علیهم بفعله فلابأس به لأن هذا افضل وجوه النکایة و فیه منفعة المسلمین.** (السیر الکبیر وشرحه ۱۵۱۳/۴)

گویا ان دونوں صورتوں میں فدائی حملوں کا جواز چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

(i) مسلمان کفار کے ساتھ حالت حرب میں ہو۔

(ii) مسلمانوں کے پاس علاوہ اس کے کوئی دوسرا طریقہ دشمنِ اسلام کے توڑنے کا نہ ہو۔

(iii) اس قسم کے حملہ سے کفار کو جانی نقصان کا یقین یا ظن غالب ہو۔

(iv) اس سے دشمنان اسلام پر مسلمانوں کا رعب قائم کرنا مقصود ہو۔

(v) اس قسم کے حملے سے خود کے علاوہ دوسرے مسلمانوں میں جذبہ جہاد، شجاعت اور بہادری پیدا کرنا ہو۔

(vi) یا ان کے علاوہ کوئی اور معتد بہ اور قابل توجہ دینی مصلحت و منفعت ملحوظ ہو۔

لہذا ان شرائط میں سے آخری چار شرائط میں کسی بھی شرط کا حصول اس فدائی حملے سے غالب گمان کے ساتھ ممکن ہو تو پھر فدائی حملے جائز ہیں۔

عدم جواز کی صورت:

(۳) البتہ فدائی حملے کی تیسری صورت یہ ہے کہ اگر اس حملہ سے کفار کو نقصان پہنچنا، ان پر رعب قائم کرنا اور مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنا یقینی یا غالب گمان کے ساتھ نہ ہو بلکہ اس حملے سے خود بم باندھنے والے کی موت یقینی ہو تو پھر ایسا حملہ کرنا شرعاً درست نہیں ایسا حملہ خودکشی میں داخل ہے۔ امام محمدؒ نے لکھا ہے۔

وان کان لم یطمع فی نکایة فانه یکره له هذا الصنیع قال العلامة السرخسیؒ تحته لأنه یتلف نفسه من غیر منفعة للمسلمین و لا نکایة للمشرکین. (السیر الکبیر و شرحه ۴/۱۵۲۱)

اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے: واذکان لایطمع احدهما کره لان فیها هلاک النفس من غیر فائدة. (قاضی خان علی هامش الهندیه ۳/ ۱۲۷)

اورعلامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: فأما اذا اعلم انه لا ینکی فیهم فانه لا یحل له ان یحمل علیهم لانه لا یحصل بحملته شئ من اعتزاز الدین. (ردالمختار ۴/ ۱۲۷)

اورھندیہ میں ہے: وان کان غالب رأیه ان لا ینکی فیهم اصلاً لا بقتل ولا بهزیمة و یقتل هو فانه لا یباح له ان یحمل والقیاس ان یباح له ذلک فی الاحوال کلها وان علم انه یقتل. (الفتاوی الهندیه ۵/ ۳۵۳)

دارالاسلام میں کفار کے ٹھکانوں پر فدائی حملوں کی شرعی حیثیت:

(۴) ان کے علاوہ فدائی حملے کی ایک چوتھی صورت بھی ممکن ہے بلکہ بعض مقامات پر وہ صورت واقعہ بھی ہو چکا ہے کہ کفار کے کسی ہوٹل یا گاڑی وغیرہ پر دارالاسلام یا دارالحرب میں حملہ کیا جائے اور اس حملے سے خود ہلاکت میں ڈال کر کفار کو نقصان پہنچایا جائے حالانکہ وہ نہ حالت حرب ہیں اور نہ وہ کفار مسلموں کے ساتھ محاربین ہیں بلکہ ان کے ساتھ بین الاقوامی معاہدے ہیں اور وہ انہی معاہدوں کے تحت دارالاسلام آئے ہیں تو اسلام اس قسم کے فدائی حملوں کی بھی قطعاً اجازت نہیں دیتا اس لئے کہ دارالاسلام میں وہ کفار مستامن ہیں اور مستامن کا قتل شرعاً جائز نہیں اور دارالحرب میں بین الاقوامی قوانین کے تحت جان و مال کا تحفظ کے معاہدہ کی پاسداری مسلمانوں پر اپنے کئے گئے وعدہ کی وجہ سے لازمی ہے اس کے علاوہ اس قسم کے حملوں سے بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کا اعتماد ختم ہو جائے گا اور بین الاقوامی سطح پر اسلام کو ایک دہشت گرد مذہب سمجھا جائے گا جس کی وجہ سے اسلام اور مسلمان دونوں کو سخت نقصان پہنچنا ممکن ہے جو ایک سنگین فتنہ اور فساد کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے اسلئے شرعاً ایسا فدائی حملہ جائز نہیں لہذا جو اس قسم کے حملہ میں مر جائے خودکشی سے مرنے والے کے مترادف ہے۔ اسی طرح فرقہ واریت کے تحت مساجد، امام بارگاہوں وغیرہ پر بھی فدائی حملہ ہرگز جائز نہیں، ایسا حملہ گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فدائی حملہ جنگ کے دوران دشمنان اسلام پر صرف اس وقت جائز ہے جب اس حملہ سے دشمن کو جانی و مالی نقصان پہنچانے، ان کی شکست یا مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے کا غالب گمان ہو اور اگر اس حملہ سے دشمن کو کسی نقصان پہنچانے، یا ان کی شوکت توڑنے اور ان میں رعب پیدا کرنے یا مسلمانوں میں بیداری پیدا ہونے کا ظن غالب نہ ہو تو پھر فدائی حملہ کی شرعاً گنجائش نہ ہوگی۔ اس قسم کے فدائی حملے خودکشی کے مترادف ہیں۔

مقالہ نگاروں سے ضروری گزارش

جملہ مقالہ نگار حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مقالات صاف ستھرا خوشخط لکھائی کے ساتھ اگر ممکن ہو تو کمپیوٹر سے کمپوز کر کے صحیح پروف شدہ، حوالات جات کے ساتھ بروقت براہ راست ای میل ایڈریس: almarkazulislami@maktoob.com یا ڈاک کے ذریعے روانہ کریں۔ شکریہ